محمد جعفر پھلواروی

لاطینی رسم الخط کس لیے؟

پاکستانی زبانوں کے لیے مشترکہ رسم الخط کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ اور بعض لوگ اس کے لیے لاطینی رسم الخط کو موزوں خیال کرتے ہیں۔ اردو زبان کے لیے لاطینی رسم الخط موزوں ہے یا نہیں اس پر بحث سے اہل علم گفتگو کر چکے ہیں۔ ہم اس وقت اختصار کے ساتھ صرف چند نکات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

لاطینی حروف کی مشکلات

لاطینی رسم الخط کے حامی یہ کہتے ہیں کہ یہ رسم الخط لکھنے پڑھنے میں بڑی آسانیاں ہیں جو اردو رسم الخط میں نہیں۔ آپ اگر رومن F لکھیں تو ہر جگہ یہ ایک طرح کا ہوگا۔ لیکن اردو میں ف لکھیں تو "جفا" میں ف کی شکل اور ہوگی۔ "لاف" میں اور ہوگی" فاعل" میں اور۔ یہی حال تقریباً ہر حرف کا ہے جس کی شکل آخر لفظ میں کچھ اور ہوتی ہے، درمیان میں کچھ اور، شروع میں کچھ اور۔ لیکن یہ مصیبت تو رومن حروف میں بھی ہے۔ کہیں [illegible] ہے۔ کہیں F۔ کہیں F اور کہیں F۔ گویا ہمارے ہاں سامنے حروف ۳۴ ہیں اور رومن میں ۲۶۔ اور سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ اردو زبان کی صوتی خصوصیات رومن میں منتقل ہی نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً رومن میں ایک حرف ہے z۔ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ حرف کس کی نمائندگی کرتا ہے، ذ کی یا ز کی، ض کی یا ظ کی؟ اسی طرح ث، س، ص کا کوئی فرق رومن میں نمایاں نہیں ہوتا ء اور ع میں کوئی امتیاز نہیں باقی رہتا۔ علاوہ ازیں بعض اصوات وہاں سرے سے موجود ہی نہیں۔ ح، خ، ع، غ، ق وغیرہ کے لیے کوئی حرف رومن میں موجود نہیں اور حروفِ ثقیلہ[1] کے لیے بھی حروف نہیں۔

اس دشواری کا صرف یہی علاج ہو سکتا ہے کہ آپ کچھ حروف ایجاد کر لیجیے۔ مثلاً [illegible] کے

---

(۱) حروف ثقیلہ سے مراد مرکب حروف ہیں مثلاً بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، نھ،

کے ساتھ مرتب کر کے شایع کیے جائیں اور ان کی اصل تحریریں نوادرخانہ میں محفوظ کر لی جائیں۔ اقبال پر جو مضامین لکھے گئے اور لکھے جاتے ہیں وہ اگر محفوظ نہ کیے گئے تو چند سال میں ضائع ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ مناسب ہوگا کہ ان کو جمع کیا جائے اور ان میں جو مضامین مطالعۂ اقبال میں مدد دینے والے ہوں ان کو مجموعوں کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اقبال پر تحقیقی کام کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ ایک جامع پروگرام بنایا جائے اور مختلف ادارے ہر سال ایک لائحۂ عمل کے مطابق کام کریں تاکہ اقبال کے افکار و تعلیمات کو ایک ایسے مرتب نظریۂ حیات کی شکل میں پیش کیا جا سکے جو ذہنی تربیت اور ہمہ جہتی ترقی میں مدد و معاون ہو کیونکہ اقبال سے ہم پوری طرح اسی وقت استفادہ کر سکیں گے جب ہم ان کے نظریات کو عملی جامہ پہنائیں اور بقول مسٹر بروہی اگر پاکستان میں اقبال کے فلسفۂ حیات کو صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنانے والے نصف درجن مسلمان بھی پیدا ہو جائیں تو وہ نیم مردہ جسدِ ملّی میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک سکتے ہیں۔

امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں دولتمند اشخاص قومی کاموں اور عوام کی فلاح و ترقی پر کثیر دولت صرف کرتے ہیں۔ اور ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں کے مصارف حکومت سے زیادہ عوام برداشت کرتے ہیں۔ امریکہ کی بیشتر اور اہم ترین یونیورسٹیاں بھی غیر سرکاری ہیں اور کروڑہا ڈالر کے سرمایہ سے ایسے فاؤنڈیشن قائم کیے گئے ہیں جو نہ صرف اپنے ملک بلکہ دوسرے ممالک میں بھی عوامی فلاح و ترقی کے کام انجام دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں قومی خدمت کا یہ جذبہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر کام کی ذمہ داری صرف حکومت پر ہے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ ہر باشندہ کو مفت طبی امداد اور مفت تعلیم دی جائے لیکن یہ محسوس نہیں کرتے کہ اتنی بڑی آبادی کے لیے یہ سہولتیں فراہم کرنے کے مصارف کے لیے حکومت کی آمدنی کافی نہیں ہو سکتی۔ پاکستان کے قیام سے یہاں کے سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور دوسرے کاروباری طبقوں کو روپیہ کمانے کے بڑے مواقع ملے۔ ان لوگوں نے ملک کے حالات سے فائدہ اٹھا کر کثیر دولت تو جمع کر لی لیکن ان کو یہ خیال نہ آیا کہ جس ملک اور جس قوم کی بدولت ان کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے اس کی فلاح و بہبود کے لیے بھی وہ اس دولت کا کچھ حصہ صرف کریں۔ اگر ہمارا دولتمند طبقہ اپنا یہ معاشری اور قومی فرض محسوس کرتا تو حکومت کا کام بہت آسان ہو جاتا اور طبی امداد اور تعلیم جیسی سہولتیں فراہم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔

تاہم اس بات کی خوشی ہے کہ دولتمندوں کی یہ بے اعتنائی اب دور ہونے لگی ہے اور اس کا تازہ ثبوت داؤد فاؤنڈیشن کا قیام ہے جو پاکستان کے ایک ممتاز صنعت کار سیٹھ احمد داؤد نے تعلیم اور سائنس کی ترقی کے لیے ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے قائم کیا ہے۔ ہمارے ملک کی ہمہ جہتی ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے اور ہمارے تعلیمی مقاصد میں ان اداروں کی خاص اہمیت ہے جو اسلامی افکار کی اشاعت اور قوم کی ذہنی تربیت کا کام کر رہے ہیں۔ بقول صدر مملکت داؤد فاؤنڈیشن جیسے ادارے ہمارے معاشرہ کے لیے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے کہ ہماری فوجوں کے لیے ہتھیار، ہماری زمینوں کے لیے بیج اور ہمارے کارخانوں کے لیے مشینیں۔ چنانچہ پاکستان میں تعلیم اور سائنس کی ترقی کے لیے اس فاؤنڈیشن کا قیام قابلِ تعریف اور ہمارے دولت مند طبقہ کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

نہیں ہو سکتے۔ اگر اردو کی طرف تھوڑی توجہ دی جائے تو اتنے ہی عرصے میں یہ پوری کارروائی بڑی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے جن چیزوں کی فوری ضرورت ہے ان میں زیادہ اہم یہ ہیں کہ اردو کے لیے ایک مکمل ٹائپ تیار کرایا جائے۔ تمام سرکاری کاموں کے لیے اردو میں ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ اخباروں، رسالوں اور کتابوں وغیرہ کی طباعت کا وہی اعلیٰ انتظام ہو جو انگریزی کے لیے ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چند دنوں میں کایا پلٹ گئی ہے۔ اب رہا اخراجات کا سوال تو اس کے بیے ہم اتنی ہی گزارش کافی سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کو رومن میں لکھنے سے اخراجات دو گنے سے زیادہ ہو جائیں گے اس کی ایک مثال لیجیے۔ آپ کو لکھنا ہے "محمد جعفر پھلواروی" تو آپ اسے رومن میں یوں لکھیں گے، MOHAMMAD JAFER PHULWARWI - ہاتھ سے لکھنے میں صرف حروف کی شکل مختلف ہوگی۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ رومن نے دوگنی بلکہ تین گنی جگہ لے لی۔ اس لحاظ سے ایک کتاب چھپوانے میں بھی اسی تناسب سے خرچ بھی دوگنا تین گنا ہوگا۔ غرض اخراجات رومن میں کہیں زیادہ ہوں گے۔ اب رہا وقت کا سوال تو اب بھی یہ صورت حال ہے کہ جتنا وقت MOHAMMAD JAFER PHULWARWI لکھنے میں لگتا ہے اتنا "محمد جعفر پھلواروی" لکھنے میں نہیں لگتا۔ ٹائپ میں بھی محمد جعفر پھلواروی لکھنے میں ۱۵ بار انگلیاں مارنی پڑتی ہیں اور MOHAMMAD JAFER PHULWARWI میں ۲۳ بار انگلی کو حرکت دینی پڑتی ہے۔

اسلامی ممالک سے قربت

جہاں تک ہمیں علم ہے پاکستان میں رومن رسم الخط کا سوال اس لیے اٹھا کہ مغربی پاکستان میں اردو رسم الخط رائج ہے جس میں اردو، پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو وغیرہ ہیں۔ مگر مشرقی پاکستان میں بنگلہ کی رسم الخط اُلٹی ہے۔ ان دونوں کے اختلاف کو دُور کرنے کے لیے یہ طریقہ تجویز کیا جاتا ہے کہ دونوں اپنے اپنے رسم الخط چھوڑ کر رومن رسم الخط اختیار کر لیں تاکہ یہ بنگلہ اور وہ اردو آسانی سے سیکھ لیں۔ اس صورت میں زبان تو وہی رہے گی البتہ صرف رسم الخط بدل جائے گا اور پاکستان کے دونوں بازو قریب ہو جائیں گے۔ لیکن یہ خیال ایک سفسطہ ہے۔ اس سے نہ بنگالیوں کو اردو آئے گی اور نہ مغربی پاکستان والوں کو بنگلہ زبان آئے گی۔ اس سے زیادہ آسان یہ ہے کہ بنگلہ زبان کو اردو کے رسم الخط میں تبدیل کر دیا جائے۔ آپ کو شاید یہ علم ہوگا کہ آج سے کوئی ڈیڑھ سو سال پہلے بنگلہ زبان اردو ہی کے رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ اس کے بعد انگریزوں اور ہندوؤں کی

نیچے یا اوپر کوئی علامت بنا کر اسے ق کر لیجیے۔ ح میں تین مختلف علامتوں کا اضافہ کر کے ز، ذ، ض ظ میں فرق کر لیجیے۔ اور S میں کچھ اضافے کر کے ش، س، ص کا امتیاز پیدا کر لیجیے۔ بلکہ واول حروف میں چند علامات کا اضافہ کر کے اسے زیر، زبر، پیش، اور الف، ی، و بنا لیجیے۔ اور معروف و مجہول آواز کے فرق کے لیے بھی کوئی علامت تجویز کر لیجیے تاکہ شو (SHOW) اور شُو (SHOE) میں فرق پیدا ہو جائے
لیکن اس میں مصیبت یہ ہے کہ دو دو تبدیلیاں پیدا کرنی پڑیں گی۔ یعنی ایک تو اردو رسم الخط کو بدل کر رومن کیا جائے اور دوسرے خود رومن رسم الخط میں بھی اتنی تبدیلیاں پیدا کی جائیں کہ یہ بھی مسخ ہو جائے اور خود رومن رسم الخط والے بھی اسے ٹھیک سے نہ پڑھ سکیں۔ اتنی مصیبت اور محنت سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ اتنا وقت اور اتنی توانائی اردو رسم الخط ہی کو رائج کرنے میں صرف کی جائے۔

اخراجات اور وقت کا سوال

اردو رسم الخط کی ایک خرابی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ کوئی کتاب چھپوانی ہو تو پہلے کاتب سے پیلی کاپی لکھوایے۔ اس کی تصحیح کر کے پھر پتھر پر جمایے۔ پھر پروف دیکھیے۔ اس کے بعد چھپائی ہوگی پھر یہ مصیبت ہے کہ ہر کاتب کا اپنا الگ انداز ہے اور اس میں یکسانی نہیں۔ اس کا علاج ٹائپ کی چھپائی ہے لیکن ٹائپ اردو میں مکمل نہیں۔ ایک تو ہر کمپنی کے "ٹائپ رائٹر کی" کی بورڈ" الگ ہے دوسرے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی حرف یا علامت غائب بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی چھپائی میں بڑا خرچ اور وقت لگتا ہے۔

کسی حد تک یہ اعتراض درست ہے لیکن دراصل یہ سب کچھ ہماری بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اخبار اور کتابیں سب کچھ رومن ٹائپ کے اصول پر چھپ سکتا ہے۔ آخر عربی ممالک میں عربی ٹائپ سے سارے کام کس طرح چلتے ہیں۔ دفاتر، اخبار، کتابیں غرض سارے کاروبار ٹائپ حروف سے چلتے ہیں۔ اور بہتر سے بہتر چلتے ہیں۔ پھر اردو کے کام اسی طرح کیوں نہیں چل سکتے؟ —— مرحوم بہادر یار جنگ جب مصر گئے تو ایک پریس دیکھنے بھی گئے۔ داخل ہوتے ہی ایک شخص نے ان سے انٹرویو کیا۔ کچھ سوال و جواب ہوئے۔ فوٹو لیے گئے اور وہ پریس کی تمام مشینیں وغیرہ دیکھتے ہوئے جب نکلے تو ان کے ہاتھ میں ایک مطبوعہ رسالہ دیا گیا جس میں مرحوم کے یہ فوٹو بھی تھے اور ان کے سوانح حیات اور انٹرویو کا خلاصہ بھی۔ قاہرہ میں ان کے ورود سے لے کر اس اخبار کے معائنہ تک سب کچھ چھپا ہوا تھا اور اس ساری کارروائی میں شاید ڈیڑھ دو گھنٹے لگے تھے۔ اور کسی اور زبان میں بھی اس سے زیادہ جلدی یہ

میں پ، ٹ، چ، ڈ، ڑ، ژ اور حروفِ ثقیلہ مثلاً بھ، پھ، تھ، ٹھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، نھ نہیں۔ فارسی میں بھی ٹ، ڈ، ڑ اور حروفِ ثقیلہ نہیں۔ انگریزی میں ت، ث، ح، خ، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق اور بہت سے حروفِ ثقیلہ نہیں۔ یہی حال ہندی اور سنسکرت اور بنگالی کا بھی ہے کہ ان میں حروفِ حلقیہ اور بہت سے حروفِ ثقیلہ اور ث، س، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق وغیرہ نہیں۔ لیکن اردو زبان میں یہ سارے حروف و اصوات موجود ہیں۔ اردو کی اس ہمہ گیری و وسعت کے باوجود کسی انگریز یا امریکن نے یہ کبھی نہیں کہا کہ انگریزی زبان کو اردو رسم الخط میں لکھنا چاہیے یا فرنچ و جرمن زبانوں کے لیے اردو رسم الخط زیادہ موزوں ہے۔ لیکن ہم میں بعض لوگ خدا جانے کیوں یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اردو کے لیے لاطینی رسم الخط زیادہ مناسب ہے۔

مسجد بہ شکل صومعہ

واقعہ یہ ہے کہ اگر لاطینی حروف میں بہت سے اضافے اور اصلاحات کر کے ہر لحاظ سے اسے اردو زبان کے لیے کار آمد بنایا جاسکے جب بھی اردو کے لیے رومن رسم الخط موزوں نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ہر زبان اپنا مخصوص معنوی و صوری قالب رکھتی ہے اور اسی میں وہ زبان نکھرتی ہے۔ اگر زبان اردو ہو اور صوری قالب لاطینی ہو تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک مسجد میں نماز اور اذان تو ہو مگر اس مسجد کی شکل و صورت مندر یا گرجے جیسی بنا دی جائے۔ اگرچہ ایسی مسجد بھی معنوی حیثیت سے مسجد رہ سکتی ہے لیکن اس کی صوری حیثیت کو بدل دینے کے اثرات مضر ہوں گے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے کلچر کے تحفظ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہماری ثقافت محض زبان ہی نہیں، زبان کی رسم الخط بھی ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح ہماری عبادت گاہ محض ایک مقامِ عبادت ہی نہیں بلکہ اس کی صوری حیثیت بھی ہے۔ اردو زبان سے ہمیں محض اس لیے محبت نہیں کہ اس کے بڑے بڑے مسلمان ادیب گزرے ہیں یا ہماری زبان اردو ہے۔ اردو تو سارے پاکستان و ہندوستان کے مسلم و غیر مسلم کی زبان ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کی زبان نہیں۔ اس لیے ہماری محبت بھی محض مسلمانوں کی زبان ہونے کی بنا پر نہیں۔ اس زبان سے ہمارا لگاؤ اس لیے بھی ہے کہ اس کی رسم الخط قرآنی رسم الخط سے ہمیں قریب رکھے ہوئے ہے اور ہمارا بے شمار ثقافتی سرمایہ اسی زبان اور اسی رسم الخط میں محفوظ ہے۔ یہ گراں قدر سرمایہ اتنا عظیم الشان اور کثیر المقدار ہے کہ اسے رومن رسم الخط میں منتقل کرنے کے لیے صدیاں درکار ہیں۔ اتنا وقت اور اتنی توانائی اور اتنا زرِ کثیر صرف کرنے کے باوجود بھی ہم زمانے سے

کوشش سے اسے ہندی رسم الخط میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ یہ عام مسلمانوں کی ثقافت سے الگ ہو جائیں۔ اگر آج اسے پھر سے اردو رسم الخط میں تبدیل کر دیا جائے۔ تو یہ اس سے زیادہ آسان اور مفید ہے کہ رومن رسم الخط میں از سر نو بنگلہ یا اردو زبان کی تعلیم دی جائے۔ علاوہ ازیں اگر یہ صحیح ہے بائیں جانب سے لکھنے کی وجہ سے مغربی ممالک سے قریب ہو جائیں گے تو یہ بھی صحیح ہے کہ ہم ان تما اسلامی ممالک سے دور بھی ہو جائیں گے جن کی رسم الخط دائیں جانب سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً عر فارسی، جاوی، پشتو، بلوچی، پنجابی، سندھی، کریمی، ہولنہ، قازانی، کمک، کردی، ملائی، مینڈنیکو، اور نوگائی وغیرہ۔ یہ ساری زبانیں دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہیں۔ ہم آخر ان سے کیوں کٹ جائیں؟

قرآن کا قرب

یہ خوب سمجھ لیجیے کہ قومی اتحاد کے لیے سب سے پہلے تصورات کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ دنیائے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے تصوراتی اتحاد پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ اگر محض رسم الخط سے اتحاد پیدا ہو سکتا تو یورپ کے ان ملکوں میں اتنا زبردست اختلاف اور خونریزی نہ ہوتی جن کا رسم ا یکساں ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارا اتحاد صرف قرآن کے مرکز پر ہو سکتا ہے۔ ہم قرآنی رسم الخط سے جتنا دور ہوتے چلے جائیں گے اسی قدر تصوراتی اتحاد سے بھی دور ہوتے جائیں گے۔ اور یہ صرف اردو زبان اور اردو رسم الخط ہی ہے جو ہمیں قرآن سے قریب رکھ سکتی ہے۔ یہ عجیب خیال ہے کہ رومن رسم الخط تو پاکستان کے دونوں بازوؤں میں اتحاد پیدا کر دے گا لیکن قرآنی رسم الخط یہ مقصد حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر لاطینی رسم الخط سے لسانی اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اردو رسم الخط سے نہ صرف لسانی بلکہ ملی اور دینی اتحاد کو بھی بہت تقویت حاصل ہوگی۔

سبب ترجیح

اردو رسم الخط کو ہم کسی دوسری رسم الخط پر ترجیح اس لیے دیتے ہیں کہ اردو زبان ہی اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ بنگال میں پشتو شاعر، یا سندھ میں بنگالی رائٹر نہیں ملے گا۔ لیکن اردو اتنی ہمہ گیر زبان ہے کہ پاکستان و ہندوستان کے ہر صوبے میں بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں اردو بولی، سمجھی اور لکھی جاتی ہے اردو کے رسم الخط میں جو ہمہ گیری ہے وہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہی نہیں۔ کوئی دوسری زبان ایسی نہیں جو دوسری زبانوں کے تلفظ کو ادا کر سکے۔ لیکن اردو کے حروف دنیا کی ہر زبان کی صوتی خصوصیات اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ جیسے اردو ہی زبان کا تلفظ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عر

رسم الخط اختیار کرنے کی یقیناً ضرورت ہے۔ لیکن یہ رسم الخط وہی ہونا چاہیے جو اردو اور پاکستان کی کئی علاقائی زبانوں کے لیے پہلے ہی استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ رسم الخط قرآن کا رسم الخط ہے اور ہمارے ملی اتحاد، ہمارے علمی اور دینی سرمایہ اور ہماری اسلامی ثقافت کی ترقی اور تحفظ کی ایک اہم ترین ضمانت ہے۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار

مصنفہ پروفیسر رشید احمد

سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں مسلمان مفکروں اور مدبروں کے نظریات کی خاص اہمیت ہے لیکن ان کے نظریات کو ایک جگہ جمع کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے ۔۔۔ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے بارہ مفکروں کے نظریات پیش کیے گئے ہیں اور کتاب کے شروع میں قرآنی نظریۂ مملکت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کو تمام مفکرین نے اپنے نظریات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قیمت ۵٫۷۵ روپے

اسلام اور عدل و احسان

مصنفہ رئیس احمد جعفری

اس کتاب کا مقصد اسلامی تعلیمات کے ایک ایسے پہلو کو اجاگر کرنا ہے جو قومی تعمیر اور معاشرتی اصلاح کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن میں عدل و احسان کے بارے میں کیا وارد ہوا ہے۔ مفسرین کے اقوال کیا ہیں۔ احادیث نبوی سے عدل و احسان کے بارے میں کیا معلوم ہوتا ہے۔ فقہا نے عدل و احسان کو کیا حیثیت دی ہے اور اپنی تاریخ کے مختلف زمانوں میں مسلمانوں نے عدل و احسان کو کہاں تک اپنایا ہے ان تمام مباحث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۶٫۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور